Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

مولانا وصی مظہر ندوی

پروفیسر ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی☆

مسلمانوں کی تقویم کا مدار چاند کی گردش کے حوالے سے ہجرت کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ انگریزوں کے اثر سے ہم اپنے سارے معاملات کا حساب و کتاب عیسوی تقویم سے کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ۲۰۰۵ نے اپنے اختتامی لمحات میں جاتے جاتے ہمیں ایک بڑی علمی سیاسی، سماجی، دینی اور ادبی شخصیت سے محروم کر دیا۔

مولانا وصی مظہر ندوی کا شمار ان چند گنی چنی شخصیات میں ہے جنہوں نے اپنے پختہ کردار، آہنی عزم، بے پناہ استقلال، جرأت ایمانی، بے نفسی، سادگی، تقوی اور دیانت امانت سے ایک عالم کو متاثر کیا۔ جسمانی اعتبار سے نہایت کمزور مگر عزم و ارادہ میں نہایت پختہ، اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا مصداق یہ شخص جب اپنی حمیت سے مجبور ہو کر اپنی آواز بلند کرتا تو معلوم ہوتا کہ درن کانپ رہا ہے اور اس شیر کی دھاڑ سے بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو جاتے۔

مولانا نے اپنی بھرپور زندگی گذاری ان کی شخصیت ہمہ جہت تھی، عربی زبان کے وہ قادر الکلام خطیب اور مایہ ناز انشاء پرداز تھے، اپنے طلباء کا دل موہ لینے والے ایسے کامیاب استاد تھے جن میں تفہیم اور تسہیل کی غیر معمولی صلاحیت تھی مشکل سے مشکل علمی مسئلہ کو نہایت عام فہم انداز میں بڑی آسانی سے حل کر دیتے تھے۔

بنیادی طور پر وہ استاد اور ماہر تعلیم تھے فکر معاش سے کوسوں دور سادگی اور قناعت ان کا شیوہ

☆ سابق ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر و سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ کراچی

تھی لکھنو جیسے متمدن شہر کا یہ باسی منصورہ میں مٹی کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں وہ راحت محسوس کرتا تھا جو لوگوں کو ایئر کنڈیشن اور ہر طرح سے آراستہ پیراستہ مکانوں میں میسر نہیں آتی۔

معلم کی حیثیت سے ان کی زندگی کا آغاز تو ندوۃ العلماء سے فراغت کے فوراً بعد اس وقت ہو گیا تھا جب وہ ادارہ تعلیمات اسلامیہ لکھنو سے وابستہ ہوئے، ہجرت کے بعد انہوں نے حیدرآباد کے مشہور اسکول نور محمد ہائی اسکول میں کچھ عرصہ تدریس کے فرائض انجام دیئے لیکن ایک استاد، اور کامیاب ماہر تعلیم کی حیثیت سے ان کے جوہر شاہ ولی اللہ کالج منصورہ میں کھلے وہاں ان کو کامل آزادی کے ساتھ اپنے نہایت زرخیز ذہن میں پیدا ہونے والے منصوبوں کو بروئے کار لانے کا موقع ملا مولانا کو تعلیم و تربیت کا خداداد ملکہ عطا ہوا تھا وہ اس میدان میں نئے نئے طریقہ ایجاد کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کالج کے دارالاقامہ کو تربیت گاہ کا نام دیا اور اس تربیت گاہ کو ایک ریاست تصور کرتے ہوئے اس کا پورا نظام ترتیب دیا اور تمام معاملات طلباء کو سونپ دیئے اور ہر قدم پر ان کی پوری رہنمائی کی۔ طلباء کی مثبت آراء کو ہمیشہ اہمیت دی۔ اختلاف رائے کی پوری آزادی عطا کی طلباء کی تنقید اور تبصرہ کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور حوصلہ مندی کے ساتھ سنا۔ مولانا کے تربیت یافتہ شاگردوں کی ایک بہت بڑی کھیپ علمی دانشگاہوں، سیاسی اداروں اور تجارتی مراکز میں نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور ان کے لیئے ہمہ وقت دعا گو ہے۔ ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں میں مولانا کی تعلیم و تربیت کا بڑا دخل ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ فریضہ اقامت دین کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے اس راہ میں مولانا مودودی کی شخصیت اور ان کے پیش کردہ لائحہ عمل سے متاثر ہونے کے بعد وہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے لیکن اس جماعت میں ان کی حیثیت مرے مقلد کی نہیں تھی۔ ایک بیدار صاحب بصیرت مفکر کی حیثیت سے وہ ہر منصوبہ پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اور نہایت جرأت کے ساتھ اپنی بات کہنے کا گر جانتے تھے وہ جماعت کی مجلس شوری کے رکن رہے اس مجلس میں ان کی تجاویز کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بسا اوقات ان کے تبصرے اور تنقید سے ماحول میں خوب گرمی بھی پیدا ہو جاتی تھی اور ہر شخص کے لیے ان کے دلائل کے سامنے ٹھہرنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ بالآخر ایک مرحلہ پر ان کو جماعت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ عام طور پر بڑی جماعتوں سے الگ ہونے والے گوشہ گمنامی میں جا گرتے ہیں۔ اور سیاسی میدان میں کوئی نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے لیکن مولانا کے سیاسی قد و قامت میں اس علیحدگی سے کوئی فرق نہیں پڑا نہ ہی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی آئی۔ وہ حیدرآباد کے میئر

کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔ ضیاء الحق صاحب کی کابینہ میں مرکزی وزیر کی حیثیت سے انہوں نے فعال کردار ادا کیا۔ اور ضیاء الحق صاحب مرحوم کی بہت سے دینی خدمات میں ان کے شریک و سہیم رہے۔

ان کی فکری جولان گاہ کا ایک میدان صحافت بھی ہے۔ ایک دانشور، مفکر اور ماہر سیاست کی حیثیت سے ملک کے موقر جرائد اور مجلات میں ان کے مضامین مسلسل شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہ مضامین بڑے مدلل اور عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتے تھے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عمر کے آخری حصہ میں بچوں کے کینیڈا منتقل ہوجانے کے بعد ان کا بیشتر وقت کینیڈا میں گذر رہا تھا۔ کینیڈا میں مولانا کا قیام وہاں کے مسلمانوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا ایک داعی کی حیثیت سے خرابی صحت کے باوجود انہوں نے وہاں بڑی بھرپور زندگی گذاری۔ ریڈیو اور ٹی وی پر ان کی تقاریر کا ایک مربوط سلسلہ تھا۔ درس و تدریس سے وابستگی بھی قائم رہی درس قرآن، درس حدیث، عربی زبان کی تدریس کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس اہل کینیڈا کے لیے ایک بالکل نیا تجربہ تھا واضح رہے اسرار شریعت کے فلسفہ پر مشتمل شاہ صاحب کی یہ کتاب مولانا کی پسندیدہ کتابوں میں سر فہرست تھی منصورہ میں بھی مولانا یہ کتاب بڑے ذوق وشوق اور خاص انداز سے پڑھایا کرتے تھے۔

کینیڈا کے دوران قیام مولانا کو یورپ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے مسائل سے مکمل آگاہی ہوئی اور کسب معاش کے لیے ہجرت کرنے والے اس گروہ کے مستقبل کے بارے میں وہ ہمیشہ تشویش میں مبتلا رہے۔ پاکستان آمد کے موقع پر وہ اکثر غریب خانے کو رونق بخشتے تھے اور والد محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی سے بھی کئی طویل نشستوں میں ہجرت یورپ کے متعدد پہلوؤں پر انہوں نے تبادلہ خیال کیا۔ دونوں حضرات کی یہ متفقہ رائے تھی کہ مستقل قیام کی غرض سے یورپ منتقل ہونا بڑے خطرات کا حامل ہے اور دینی اور دنیاوی اعتبار سے اسمیں بڑی مضرتیں ہیں۔ البتہ ایک داعی کی حیثیت سے وہاں کچھ وقت گذارنا اہل علم ودانش اور اصحاب تقویٰ کے لیے ضروری ہے۔ مولانا کے وہاں قیام کی غرض وغایت بھی یہی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اہل کینیڈا کو مولانا کی موجودگی سے بہت فائدہ پہنچا اور وہ آخری دم تک فریضہ اقامت دین ان کا وہاں بھی مشن رہا۔ اور وہیں وہ آسودہ خاک بھی ہوئے۔

....

ایک عالم۔ ایک استاد۔ ایک سیاستدان

مولانا وصی مظہر ندویؒ

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

آہ! جید عالم دین، عربی ادب کے مایہ ناز استاد بلکہ استاد العلماء اور مدبر سیاستدان، مولانا وصی مظہر ندوی ۲ جنوری ۲۰۰۶ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) انتقال کے وقت مولانا کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی۔ دو تین ماہ سے بیمار تھے اور کینیڈا کے کسی اسپتال میں زیر علاج۔ تقریباً پانچ سال سے وہ وہیں رہائش پذیر بھی تھے۔ ویسے تو لکھنؤ آپ کا مولد تھا۔ مگر کینیڈا آپ کا مدفن بنا۔ آپ کی تعلیمی زندگی کا آغاز یوپی (بھارت) کے معروف علمی ادارے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہوا۔ دیگر ندوی علماء کی طرح آپ بھی معروف اور ثبت علمی شہرت کے حامل قرار پائے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف اداروں سے بحیثیت استاد اور معلم وابستہ رہے۔ جن میں سب سے زیادہ وقت شاہ ولی اللہ اور نیشنل کالج منصورہ کے حصے میں آیا۔ آپ اس ادارے کے موسس بھی تھے۔ تقریباً بارہ سال تک آپ یہاں انتظامی اور تدریسی ہر دو فرائض نہایت حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے۔

مولانا تنظیمی وتدریسی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ تصنیفی صلاحیتوں سے بھی کما حقہ بہرہ ور تھے۔ آپ نے ملک کے مختلف شہروں سے نکلنے والے اخبارات ورسائل میں متعدد علمی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر سنجیدہ مضامین لکھے۔ جو بلاشبہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اگر ان مضامین کو یکجا کر کے کسی مجموعے کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو بلاشبہ یہ ایک علمی خدمت ہوگی ابلاغ عامہ کے طلبہ یہ کام بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں بلکہ مولانا کی صحافیانہ زندگی پر تحقیقی کام کر کے ایم۔ فل یا پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی

حاصل کر سکتے ہیں مولانا متعدد ہفت روزوں اور غالباً ماہناموں کے مدیر بھی رہے ہیں۔

مولانا نے اپنی زندگی کا قیمتی اور بیشتر حصہ، جماعت اسلامی میں صرف کیا۔ آپ مرکزی مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ، دونوں کے رکن رہے اور جماعت اسلامی (سندھ) کے جنرل سیکرٹری بھی۔ لیکن شاید زیادہ کھرے اور بے باک ہونے کے سبب ۱۹۷۶ء میں آپ کو جماعت اسلامی سے جبراً الگ کیا گیا۔ مگر آپ تو اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے۔ اس لئے جماعت سے الگ ہو جانے کے بعد آپ گوشہ خموشی میں نہیں چلے گئے بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط، متحرک اور موثر شخصیت کے روپ میں جلوہ گر ہوئے۔ مولانا فقط آسمان علم وفضل کے ہی تابندہ ستارے نہ تھے بلکہ تدبیر وسیاست کے بھی روشن ستارے تھے۔ لوگوں میں آپ کی ہر دلعزیزی اور جاذبیت ہی تو تھی کہ جس نے آپ کو بلدیہ حیدر آباد کا میئر بنوایا۔

۱۹۷۹ء، ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۵ء میں جب ملک میں غیر جماعتی بنیادوں پر الیکشن ہوئے تو بھی آپ حیدر آباد سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کہاں علم وفضل کی جہانگیری اور کہاں کارزار سیاست کی آبلہ پائی۔ یہ دونوں چیزیں بہت کم لوگوں میں یکجا ہوئی ہیں اور مولانا انہی کم لوگوں میں سے ایک تھے۔

ملنے سے پہلے مولانا کا تذکرہ متعدد اصحاب علم وفضل سے سننے کو ملتا رہتا تھا۔ میرے پی ایچ۔ڈی کے استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر سعید صدیقی نے مجھے وہ المناک واقعہ سنا رکھا تھا جس میں مولانا کا ایک کان ضائع ہو گیا تھا اور ظاہراً ایک کان کے حامل تھے البتہ سماعت دونوں کانوں کی درست تھی۔ خوب اتفاق ہوا کہ میں ایک دن، شیخ زائد اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر، پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالشہید نعمانی سے ملنے سینٹر چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک بزرگ شخصیت کو جلوہ گر پایا۔ میری نگاہ جونہی انکے کان پڑی تو معاً خیال آیا کہ شاید یہ وہی ہستی گرامی ہیں کہ جن کا تذکرہ میرے استاد نے کیا تھا۔ بغیر کسی سابقہ تعارف کے میں نے از خود ان سے پوچھ لیا کہ کہیں آپ مولانا وصی ندوی تو نہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر بقیہ گفتگو میں انتہائی توجہ اور دلچسپی کا مظاہرہ بھی فرمایا۔ یہ تھی مولانا سے میری پہلی ملاقات۔ اس ملاقات کی سب سے زیادہ دلچسپ اور یادگار بات، میرے لئے ان کا وہ جملہ تھا جو انہوں نے حضور اکرم مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے بیان فرمایا ان کے جملہ میں حضور ﷺ کی بے پناہ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا۔ فرمایا: یہ ساری کائنات حضور کے لیے بنی ہے آپ ہی مقصود کائنات ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ آج بھی اس جملہ کی لذت کو میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور جھوم جاتا ہوں۔

مجھے کیا خبر تھی کہ جس شخصیت سے آج میری پہلی ملاقات ہو رہی ہے آئندہ آنے والے کسی وقت میں ان سے کوئی یادگار ملاقات بھی ہونے والی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو پی ایچ۔ڈی کی

سند کے حصول کیلئے میرا زبانی امتحان تھا جس میں مولانا کو ممتحن مقرر کیا گیا تھا۔ شعبہ علوم اسلامی میں آپ پہلی بار اس حیثیت سے تشریف لائے تھے قبل ازیں آپ شعبہ عربی میں اس حیثیت سے تشریف لایا کرتے تھے۔ بہر حال آپ نے میرا امتحان لیا۔ بعد ازاں جو امتحانی رپورٹ جامعہ کراچی کے بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز اینڈ ریسرچ، کو بھجوائی گئی، اسکی نقل میں نے بعد میں حاصل کر لی، اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:

"آج ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ۔ رئیس کلیہ معارف اسلامیہ کے دفتر میں حافظ محمد شکیل اوج امیدوار برائے پی ایچ۔ڈی کا زبانی امتحان منعقد ہوا۔ مقالے سے متعلق متعدد سوالات کئے گئے اور یہ اندازہ ہوا کہ امیدوار نے نہ صرف یہ کہ مقالہ محنت سے تیار کیا ہے بلکہ وہ اپنی رائے قائم کرنے اور علمی تنقید کے دفاع کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں بعض جگہوں پر ان کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن وہ بجا طور پر اپنے اس کام پر پی ایچ۔ڈی کی شہادت کے مستحق ہیں"۔

اس Viva Voci Exam کے بعد کلیہ معارف اسلامیہ کے دفتر میں ان کے لائق وفائق تلامذہ جو اپنے اپنے مقام پر ممتاز حیثیتوں کے مالک ہیں، جمع ہو گئے۔ پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صدیقی تو پہلے سے موجود تھے، پروفیسر ڈاکٹر حافظ احسان الحق، پروفیسر حافظ عبدالشہید نعمانی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق منصوری بھی تشریف لے آئے۔ اختتام مجلس تک پروفیسر ڈاکٹر حسام الدین منصوری بھی پہنچ گئے۔ یوں روشن ستاروں کی ایک کہکشاں، اپنے ماہتاب کے گرد جمع ہو گئی بعد ازاں ہم سب نے ٹیبل پر ایک ساتھ چائے پی۔

اس مجلس سے فراغت کے بعد، میں نے مولانا کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے قبولیت بخشی، یہ قبولیت میرے استاد محترم کے لئے تعجب کا باعث تھی کیونکہ انکے خیال میں یہ بات مولانا کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ مگر یہ خلاف مزاج امر ظہور پذیر ہو چکا تھا۔ مولانا کے حامی بھرنے کی وجہ سے ڈاکٹر اختر سعید صاحب انکار نہ کر سکے۔ یوں یہ سعادت میرے حصے میں رقم ہوئی، یہ ایک طویل ملاقات تھی جو کئی گھنٹوں پر مشتمل تھی۔ اس میں کئی موضوعات زیر بحث آئے۔ اس یادگار موقع کو محفوظ کرنے کیلئے میں نے کئی تصویریں بھی بنوائیں، جنہیں اب دیکھتا ہوں تو بہت سی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

مولانا گو معروف معنی میں میرے استاد نہ تھے مگر ممتحن ہونے کے ناطے میرے استاد ہو گئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے انہیں اس دن سے اپنا استاد ہی مانا اور جانا تھا مجھے ان سے محبت ہو گئی تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ تھے ہی اس لائق کہ ان سے محبت کی جائے۔ آج وہ ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی یادیں انکی باتیں انہیں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

خدا بخشے، بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں